سُورَةُ الْقُرَیْش

مکہ مکرمہ میں قبیلہ قریش کو ہر طرح سے سیادت وقیادت حاصل تھی، وہ بیت اللہ کے خادم تھے اور ایام حج میں زیارت کرنے والوں کے قیام وطعام کا انتظام وانصرام کرتے تھے جس سے انہیں بہت مالی فوائد حاصل ہوتے تھے۔اسی طرح تجارت پر بھی زیادہ تر اسی قبیلے کے لوگ چھائے ہوئے تھے، ان کے تجارتی قافلے بغیر روک ٹوک اور بلا خوف وخطر موسم سرما میں یمن اور حبشہ کی طرف جبکہ موسم گرما میں شام اور فلسطین کا سفر کرتے تھے، سرما کا سفر گرم علاقوں کی طرف ہوتا جبکہ گرما کا سفر خوشگوار اور معتدل علاقوں کی طرف ہوتا تھا۔ جو راحت وآرام سے اور بخیر وخوبی طے پاتا اور ان تجارتی راستوں میں بسنے والے لوگ، حرم کے خدام ہونے کے سبب انہیں کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ ان کی خاطر مدارات ہوتی تھیں اور انہیں یہ ساری سہولتیں اور مراعات حرم میں بسنے کی وجہ سے ملی تھیں۔

قریش مکہ کو حکم ہو رہا ہے کہ جس رب نے انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھا، بیت اللہ کو امن وسلامتی کا گہوارہ بنایا اور ان کی معاش کا بہتر بندوبست فرمایا انہیں بھی چاہیے کہ وہ اس گھر کے مالک کی بندگی بجالائیں، شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر اس کے مطیع اور فرمانبردار بندے بن جائیں اور خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس پیغام حق کو لے کر تشریف لائے ہیں اسے دل وجان سے تسلیم کریں۔

''سورۃ قریش'' سابقہ سورت ''الفیل'' کا گویا ضمیمہ اور تتمہ ہے، سابق سورت میں اہل مکہ اور خاص طور پر قریش پر ہونے والے رب عظیم کے احسان اور اس کی قدرت کا تذکرہ تھا کہ کس طرح اس نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کو چڑیوں کے جھنڈ بھیج کر تباہ وبرباد کر ڈالا اور انہیں امن وسلامتی سے بہرہ ور کیا۔

سُوْرَةُ الْقُرَيْش

آیات:۴ رکوع:۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ (۱) اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ (۲) فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ (۳) الَّذِىْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ لا وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (۴)﴾

قریش (مکہ) عادی ہوئے اور انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر کا عادی ہونا (رب کریم کی رحمت سے میسر ہوا) تو انہیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کے لیے (رزق) دیا اور (دشمن کے) خوف سے امن بخشا۔

﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ، اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ﴾

قریش (مکہ) عادی ہوئے اور انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر کا عادی ہونا (رب کریم کی رحمت سے میسر ہوا)۔

لِاِيْلٰفِ (لِ.اِيْلٰفِ) لیے، مانوس (عادی) ہونے کے (اَلِفَ، يَألَفُ، اِلْفًا وَ اَلْفًا، وَاِلَافًا) مانوس ہونا، عادی ہونا، الْاُلْفَةُ محبت و اتفاق، انسیت، دوستی، تعلق اردو میں بھی جانا پہچانا لفظ ہے، (القاموس الوحید) قُرَيْشٍ قبیلۂ قریش، اٖلٰفِهِمْ (اِلٰفِ.هِمْ) عادی ہونا۔ ان کا، 'ھم' ضمیر جمع مذکر غائب افرادِ قریش کی طرف جاتی ہے، رِحْلَةَ سفر (کرنا ان کا)، (رَحَلَ، يَرْحَلُ، رَحْلًا) رَحِيْلًا وَ رِحْلَةً عَنِ الْمَكَانِ کسی جگہ سے سفر کرنا، کوچ کرنا، الرَّاحِلَةُ، سواری اور بار برداری کا اونٹ، الشِّتَآءِ

جاڑے (سرما) کا (القاموس الوحید)، وَالصَّيْفِ اور گرما کا۔

مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

''سورۃ قریش کے مضمون اور پیغام کو سمجھنے کے لیے ایک بات تو یہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ مکہ میں اگرچہ قریش کے علاوہ دوسرے قبیلے بھی آباد تھے لیکن سرداری اور قیادت کا مقام قریش ہی کو حاصل تھا اور اس کی وجہ سے صورتِ حال یہ تھی کہ کسی چیز کے قبول کر لینے یا رد کر دینے کے بارے میں قریش جو رویہ اختیار کرتے، امید کی جاتی کہ دوسرے لوگ بھی وہی رویہ اختیار کریں گے، دوسری بات یہ سامنے رہنی چاہیے کہ مکہ والوں کی معاش کا زیادہ تر دارومدار تجارت پر تھا اور یہ تجارت بھی قریش ہی کے ہاتھ میں تھی، خود مکہ معظّمہ اور اس کے آس پاس کے علاقہ کا حال یہ تھا کہ نہ وہاں زراعت تھی نہ کوئی اور ایسی چیز جس سے لوگوں کی معاشی ضرورتیں پوری ہوتیں، تجارت واحد ذریعۂ معاش تھا، قریش میں جو سرمایہ دار تھے وہ تو تجارت کرتے ہی تھے لیکن جن کے پاس اپنا سرمایہ نہیں تھا وہ بھی سرمایہ والوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے تھے، پھر ان میں جو فیاض اور اہل سخاوت تھے وہ تجارتی منافع ہی کے بل پر غریبوں اور مفلسوں کی بھی مدد کرتے تھے، اس طرح قریش کی تجارت سے سب کو سہارا ملتا تھا، اس تجارت کا نظام یہ تھا کہ حجاز جس کا مرکزی شہر مکہ معظّمہ تھا اور ہے، اس کے ایک طرف شام تھا جو سرد ملک ہے اور دوسری طرف یمن جو گرم علاقہ ہے، قریش کے تجارتی قافلے گرمی کے موسم میں شام کی طرف اور سردی کے زمانہ میں یمن کی طرف جاتے اور ایک ملک کی پیداوار اور مصنوعات دوسرے ملک تک پہنچاتے اور خود حجاز کے علاقہ میں بھی فروخت کرتے۔ اس زمانے میں یہ راستے مأمون نہیں تھے، تجارتی قافلے لٹ بھی جاتے تھے۔ چونکہ ان علاقوں میں عام طور سے وہ لوگ آباد تھے جو کعبہ کی عظمت اور تقدس کا عقیدہ رکھتے تھے اور اس کو بیت اللہ مانتے تھے اور قریش کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ اس کے خادم اور پڑوسی ہیں اور حج کے زمانہ میں دور دراز سے آنے والے حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اس لیے ان کے تجارتی قافلوں سے وہ تعرض نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی خاطر مدارت ہوتی تھی، پھر ان تجارتی سفروں کی وجہ سے قریش گرمی کے موسم میں مکہ معظّمہ کی سخت گرمی سے اور سردی کے موسم میں وہاں کی سردی سے محفوظ رہتے تھے، اس وجہ سے یہ دونوں سفر قریش بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے اور یہ ان کی معاشی ضرورت ہونے کے علاوہ ان کی

مرغوب ومحبوب تفریح بھی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ ساری نعمتیں اور سہولتیں اُن کو خانہ کعبہ ہی کے طفیل، فی الحقیقت رب کعبہ کی طرف سے حاصل ہو رہی تھیں، تو اس سورہ میں بھی ان سب باتوں کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے قریش سے فرمایا گیا ہے کہ اس کعبہ کے طفیل رب کعبہ کی طرف سے جو نوازشیں تم پر ہو رہی ہیں کہ ان تجارتی سفروں کے ذریعہ تمہارا معاشی اور غذائی مسئلہ حل ہو رہا ہے اور بھوک کے عذاب سے تم کو نجات ملی ہوئی ہے اور تمہارے قافلے امن اور اطمینان کے ساتھ چلتے ہیں، تم کو وہ خوف وخطر نہیں ہوتا جو دوسروں کو ہوتا ہے اور یہ سفر تم کو مرغوب بھی ہیں تو اس سب حق ہے کہ تم رب کعبہ ہی کی عبادت اور بندگی کرو، جس کے فضل وکرم سے تم کو یہ سب کچھ حاصل ہو رہا ہے۔'' (درس قرآن)

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ، الَّذِىٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾

تو انہیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کے لیے (رزق) دیا اور (دشمن کے) خوف سے امن بخشا۔

فَلْيَعْبُدُوا (ف. لْ. يَعْبُدُوا) پس، چاہیے، کہ وہ عبادت کریں، فعل امر جمع مذکر غائب، لام تاکیدی معنی دے رہا ہے (عَبَدَ، يَعْبُدُ، عِبَادَةً وَ عُبُودِيَّةً) اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا، عبادت کا لفظ اردو میں بھی جانا پہچانا ہے، رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ، اس گھر کے رب کی یعنی اللہ جل جلالہ کی، الَّذِىٓ جس نے اسم موصول، اَطْعَمَهُمْ (اَطْعَمَ. هُمْ) کھانا دیا، ان کو اَطْعَمَ (اَطْعَمَ، يُطْعِمُ، اِطْعَامًا) کھانا کھلانا، 'هُم' کی ضمیر جمع مذکر غائب قریش کی طرف جاتی ہے، مِّنْ جُوْعٍ بھوک میں، اَلْعَطْشُ وَ الْجُوْعِ بھوک پیاس اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے، وَ اٰمَنَهُمْ (اٰمَنَ. هُمْ) اور، امن دیا، ان کو اٰمَنَ واحد مذکر غائب (اٰمَنَ، يُؤْمِنُ، اِيْمَانًا) امن دینا، بے خوف کرنا، هُمْ کی ضمیر قریش کی طرف جاتی ہے مِن خَوْفٍ خوف سے۔

سید قطب شہید لکھتے ہیں:

''اس عبارت کو پھیلایا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان کے علاقے کی حالت تو یہ تھی کہ وہ بھوکے مرتے لیکن اللہ نے انہیں کھانے کو دیا اور اس بھوک سے نجات دلا کر انہیں شکم سیر کیا۔'' وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ

خَوۡفٍ ''یعنی ان کی ناتوانی کی جو حالت اور گردو پیش کے سماج کی جو کیفیت تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ خوف و خطر کی حالت میں رہتے لیکن اللہ نے انہیں خوف سے نجات بخشی اور امن و امان کی نعمت عطا کی۔

اس یاد دہانی سے دلوں میں حیا پیدا ہوتی اور شرمساری ابھرتی ہے، قریش بیت اللہ کی قدر و قیمت اور اپنی زندگی میں اس کے اثرات سے ناآشنا نہ تھے، مصائب و شدائد میں وہ بتوں کی نہیں، صرف اس گھر کے رب کی پناہ لیتے تھے، دیکھو! یہ عبدالمطلب ہیں، وہ ابرہہ کا مقابلہ کسی لشکر یا قوت سے نہیں کرتے، وہ اس کے مقابلہ کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کا سہارا ڈھونڈتے ہیں جس نے اس گھر کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اس وقت وہ کسی بت کو مقابلے کے لیے میدان میں نہیں لاتے، وہ یہ نہیں کہتے کہ '' دیوتا اس گھر کی حفاظت کریں گے''۔ انہوں نے ابرہہ سے صرف یہ کہا '' میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں، رہا یہ گھر تو اس کا ایک 'رب' ہے، وہ ضرور اس کی حفاظت فرمائے گا، لیکن 'جاہلیت' کی کج روی کسی منطق کی قائل نہیں ہوتی، وہ حق کو تسلیم نہیں کرتی، وہ معقول بات کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی۔'' (فی ظلال القرآن)

آیاتِ مبارکہ کی حکمت و بصیرت:

۱) اس سورۂ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرتی زندگی کے مسائل میں دو بنیادی باتیں رزق کی فراوانی اور دشمن کے حملوں سے بے خوفی کا حاصل ہونا ہے، اس سے معاشرتی زندگی پنپتی، آگے بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے، تمام شعبہ ہائے زندگی میں ترقی ہوتی ہے مگر شرط ہے کہ وہاں کے لوگوں میں آگے بڑھنے اور محنت کا جذبہ موجود ہو۔

۲) جو لوگ ایسی فارغ البالی اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد بھی اس کے قدردان نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے وہ نعمتیں سلب کر لی جاتی ہیں قرآن حکیم میں اس کا ذکر اس طرح آتا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرۡيَةً كَانَتۡ اٰمِنَةً مُّطۡمَئِنَّةً يَّأۡتِيۡهَا رِزۡقُهَا رَغَدًا مِّنۡ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتۡ بِاَنۡعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ بِمَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ (النحل:۱۱۲) ''اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک بستی تھی جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن اور اطمینان کی نعمت نصیب تھی اور اس کے لیے رزق ہر جگہ سے وافر آ جاتا تھا، پھر اس بستی والوں نے اللہ تعالیٰ کی

نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اس کرتوت کی بنا پر ان کو بھوک اور خوف کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔"

۳) سورۂ مبارکہ امت مسلمہ کے لیے بالخصوص اور پاکستانی معاشرے کے لیے بالعموم ایک خاص پیغام رکھتی ہے:

امت مسلمہ خصوصاً عرب ریاستوں کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ معدنی دولت سے نوازا تھا، بجائے اس کے کہ یہ دولت امت مسلمہ کی فلاح و بہبود پر صرف ہوتی اور جدید اسلحہ سے اپنے آپ کو لیس کر کے اجتماعی قوت کو مضبوط بنایا جاتا، عربوں نے اس دولت کو یا تو عیش وعشرت میں اڑا ڈالا یا پھر یورپ اور امریکہ کے بنکوں میں جمع کرا دیا، اس رقم سے دشمنوں نے فائدہ اٹھا کر اسلحہ سازی کی فیکٹریاں بنائیں اور اسے مسلمانوں پر چلایا، ہمارے شہروں اور بستیوں کو تباہ و برباد کر ڈالا، افغانستان اور عراق کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔

۴) حصول پاکستان کے لیے ان گنت جانی و مالی قربانیاں دی گئیں کہ اس خطۂ زمین میں اللہ تعالیٰ کا قانون جاری و ساری ہوگا مگر حریص اور لالچی سیاست دانوں نے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا اور نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود اسلام کا عادلانہ نظام یہاں جاری نہ ہوسکا اور آج ملک اخلاقی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی لحاظ سے جہاں کھڑا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

..................o..................